حیات اور مکتوبات سیّد احمد شہیدؒ

کے بعد

ہندوستان میں وہابی تحریک

چوہدری محمدؐ اقبال سلیم گاہندری

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے سامنے پیش ہے، ڈاکٹر قیام الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی کی گراں قدر اور بے مثال تصنیف "ہندوستان میں وہابی تحریک" (انگریزی) کا اُردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ پروفیسر محمد مسلم صاحب ایم اے نے کیا ہے اور خود پروفیسر صاحب کا نام نامی ترجمہ کی خوبی، سلاست اور عمدگی کے لیے ضمانت ہے۔ پروفیسر صاحب حضرت شادؔ کے شاگرد رشید اور پختہ مشق ادیب و شاعر ہونے کے علاوہ انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں کے اداشناس ہیں۔ ان کے ترجمہ کی خوبیوں کا کیا کہنا۔

مصنف کتاب ڈاکٹر قیام الدین صاحب نے یہ کتاب اس وقت لکھی ہے جب کہ "ہندوستان میں وہابی تحریک" سے متعلقہ مواد بہت کچھ ظاہر ہو چکا تھا اور جو ابھی تک عام نظروں سے پوشیدہ تھا اسے ڈاکٹر صاحب نے بڑی جستجو سے حاصل کیا ہے۔ اُردو میں اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری کی تواریخ عجیبہ۔ کالا پانی، غلام رسول مہر مرحوم کی تین ضخیم کتابیں۔ تحریک مجاہدین۔ سرگزشت مجاہدین اور سید احمد شہید بریلوی کے علاوہ مرحوم مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ہندوستان کی پہلی سیاسی تحریک اور مولانا ابوالحسن سید علی ندوی کی کتاب سید احمد شہید، اس سلسلہ کی مشہور کتابیں ہیں۔ ڈاکٹر قیام الدین صاحب کی اس کتاب میں مذکورہ بالا تمام کتابوں کے علاوہ دوسرے متعدد ذرائع اور کاغذات سے حاصل شدہ اور بہت سا مواد موجود ہے جو کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اس لیے بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر دنیا میں سب سے زیادہ مکمل کتاب ہے اور جدید ترین معلومات پوری طرح اس میں موجود ہیں۔

وہابی تحریک حقیقتہً اس تحریک کا نام ہے جو شیخ محمد بن عبدالوہاب النجدی المتوفی ۱۲۰۶ھ ۱۷۹۲ء نے نجد میں چلائی تھی۔ یہ ایک اصلاحی تحریک تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں جو غیر ضروری اوہام اور غیر شرعی اعمال و رسوم پیدا ہو گئے ہیں انہیں ختم کر کے دین کو اپنی قدیم سادگی پر واپس لایا جائے۔ اور دین

پر مٹنے کی جو تمنا صحابۂ کرام میں موجود تھی اسے پھر سے زندہ کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے حصول میں وہابیوں کو مختلف طاقتوں سے ٹکرانا پڑا اور وہ ٹکرائے۔

ہندوستان کی وہابی تحریک کا اس سے حقیقتاً کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر چونکہ یہ لوگ بھی دینی جذبات سے بریز تھے، ان میں بھی روح جہاد کارفرما تھی اور یہ بھی دین کو عہد اوّل کی سادگی پر لانا چاہتے تھے اس لیے یہ لوگ بھی وہابی مشہور ہو گئے یا دوسروں نے ان کی تحریک کو وہابی تحریک کے نام سے موسوم کر دیا۔

ہندوستان کی وہابی تحریک جس کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیمات سے ہوئی۔ ان کی اولاد اور ان کے شاگردوں نے اس درخت کی آبیاری کی اور حضرت سید احمد شہید بریلویؒ۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اور ان کے جاں نثار رفیقوں نے اسے اپنے خون سے سینچا۔ یہ ایک عوامی سیاسی تحریک تھی اور یقیناً پہلی عوامی تحریک تھی۔ اس کا مقصد کسی کو تخت و تاج دلوانا نہیں تھا۔ بلکہ غیر مسلموں کے اقتدار اور ان کے بے پناہ مظالم سے مسلمانوں کو نجات دلانا تھا۔ اگرچہ سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ اپنے چھ سو رفقاء کے ساتھ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں شہید ہو گئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

لیکن اس تحریک نے مظلوموں کے قلوب میں وہ آگ روشن کر دی جو بار بار بھڑکتی رہی اور وہ وقت بھی آ ہی گیا کہ ؎

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

کہاں تو یہ حال تھا کہ سکھوں کے تسلط میں اذان دینا بھی جرم تھا۔ شاہی مسجد رنجیت سنگھ کے گھوڑوں کا اصطبل بنی ہوئی تھی۔ اور کہاں یہ وقت کہ ڈھونڈنے پر بھی ہزارہ اور لاہور میں کوئی سکھ نظر نہیں آتا۔ سکھوں کے بعد انگریز جو دشمن ہوئے تو ایسے ہوئے کہ ہر پابند شرع آدمی پر وہابی ہونے کا الزام لگا کر کالا پانی بھیجتے رہے۔ کتنی ہی بار پنجتار اور ستھانہ پر جو مجاہدین کے مرکز تھے۔ انگریزی فوجوں نے آگ برسائی اور ایسے ایسے مظالم کیے کہ ان کا ذکر بھی غصہ اور نفرت کی آگ بھڑکانے کے لیے کافی ہے لیکن اس سے کیا نتیجہ نکلا ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام تک ان کا مرکز بھی قائم رہا اور ان کی تنظیم بھی موجود رہی انگریز کبھی ان کو سرنگوں کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ البتہ ۱۹۴۷ء میں جب مسلمانوں کی ایک مملکت پاکستان قائم ہو گئی تو آخری امیر المجاہدین نے یہ اعلان کر دیا کہ اب اس تنظیم اور مرکز مجاہدین کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب پوری کتاب کو پوری توجہ سے پڑھ کر خود اپنے دل سے پوچھیے۔

سید احمد شہیدؒ کے حالات کو پڑھ کر جہاں اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ آج سے صرف سو سوا سو سال پہلے ہم میں اتنے مخلص بے خوف اور جفاکش مجاہدین موجود تھے وہاں یہ بات کچھ کم حیرت افزا نہیں کہ اس تحریک کے مقاصد میں کس قدر جاذبیت اور اس کے مقدس و محترم رہنما میں کس بلا کی مقناطیسی قوت موجود تھی کہ اس کی آواز پر مسلمان جنگل و صحرا کو عبور کر کے اور بھوک پیاس کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے، خطرات کو جھیلتے ہوئے، کفن بر دوش، اور سربکف انتہائی تکلیف دہ اور غیر دلچسپ پہاڑی علاقے میں کھنچے ہوئے چلے آتے تھے، اور کیا حاصل کرنے کے لیے چلے آتے تھے، دولت دنیا۔ محلات و اعزازات وزیری و مشیری، شہرت و ناموری؟ نہیں ان میں سے کچھ بھی نہیں۔ خالق ارض و سماء کی رضامندی کے لیے۔ اور

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

سوچتا ہوں اور شرم سے سر جھکا کر خود اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ اب ہمارے علماء اور زعماء کی آوازوں میں وہ جاذبیت کیوں نہیں موجود ہے۔ کون دے اس کا جواب، اور کہاں سے ملے جواب سچ ہے کہ

"قومیں جب تباہ ہونے لگتی ہیں تو سب سے پہلے اس قوم
کے اربابِ اقتدار اور اربابِ علم بگڑ جاتے ہیں"

اس کتاب کی اشاعت سے ہمارا مقصد صرف کاروبار ہی نہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارے بوڑھے اور جوان، مرد اور عورت سب اس کو پڑھیں اور دیکھیں کہ کتنے حوصلہ شکن حالات میں دل والے ایمان اور یقین والے اور جوش و عمل رکھنے والے کام کیا کرتے ہیں اور کتنے موانع اور رکاوٹوں کے باوجود دین و شریعت سے وابستگی کو قائم رکھتے ہیں۔

لیجیے یہ کتاب آپ کے سامنے پیش ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ سے ہمارے سیاست دانوں اور عوام کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا تَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہِ

پہلی نظر

نام کتاب : میں نے جب اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو پہلے "وہابی مومنٹ" کے نام سے بدخط ہوا۔ مگر تمہید میں ان کا یہ عذر دیکھ کر مطمئن ہو گیا کہ وہ جماعت مجاہدین ہند کے انگریزوں کے تھوپے ہوئے خطاب "وہابی" کے اختیار کرنے پر اس لیے مجبور ہو گئے کہ ان کے شاطرانہ پروپیگنڈے سے ایک طرف مسلمانانِ ہند فریب کھا کر ان کو نجدی وہابیوں کا پیرو سمجھے اور اسی نام سے پکارنے لگے، دوسری طرف انگریزوں اور ہندوستانیوں نے بھی اس موضوع پر جو کتابیں اور رسالے لکھے یا سرکاری دفاتر میں ان سے متعلق جو رپورٹیں، دستاویزیں اور جتنے ماخذ ہیں سب ان کو اسی لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ داغ ان کی پیشانی پر ایسا چپکا ہے کہ چھڑائے نہ چھوٹا۔

اس سلسلہ میں کچھ مزید توضیح مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت سید احمد شہید کا کوئی واسطہ بانی وہابیت محمد بن عبدالوہاب سے نہ تھا، نہ یہ دونوں معاصر تھے۔ محمد ۱۷۹۲ء میں وفات پاچکے تھے اور حضرت سید احمد ۱۸۲۱ء میں حج کو حجاز تشریف لے گئے تھے، اس لیے ان میں باہم ملاقات کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پھر محمد بن عبدالوہاب کے پیرو وہابیوں کی کش مکش مسلمانوں سے تھی اور مجاہدین ہند کی کفار سے یہ بہت بڑا اصولی فرق تھا۔

مجاہدین کی سکھوں اور انگریزوں کے ساتھ آویزش سے لے کر آخری مجاہد امیر عبداللہ تک سرحدی قبائل اور سکھ بھی ان کو "ہندوستانی" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

رہا بعض عقائد میں وہابیان نجد اور مجاہدین ہند کا اشتراک یا مماثلت، توسیعی اصلاحِ عقائد میں یہ قدرتی اور اتفاقی ہے، جسے سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں۔

وہابیان نجد سے انگریزوں کی عداوت کی وجہ یہ تھی کہ وہابیوں کی آویزش صرف ترکوں سے نہیں ہوتی خلیج فارس میں وہابیوں کی مدافعانہ سرگرمی سے انگریزوں کے نوآبادیاتی مفاد اور جوع الارضی سے تصادم ہوا اور خونریز جھڑپیں ہوئیں۔ اسی لیے وہ وہابیوں سے سخت عناد رکھتے تھے اور مزید جھڑپوں کا اندیشہ رہتا تھا۔ انگریزوں نے اپنی فطری عیارانہ حکمت عملی سے مجاہدین کو مسلمانانِ ہندوستان میں مبغوض و مردود کرنے کا یہ زبردست حربہ استعمال کیا کہ ان کو "وہابی" بنا دیا۔

یہ انگریزوں کا پرانا آزمودہ حربہ تھا جسے علمائے سوء کے ہاتھوں میں دے کر دُور سے ہی اپنا کام نکالتے تھے۔ علمائے سوء کی کمی نہ تھی۔ یہ ہمیشہ حکام وقت کے آلۂ کار بنے رہے۔ ٹیپو سلطان شہید نے جب انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور شمالی ہند کے مسلمانوں کو بھی دعوت جہاد دی تو انگریزوں نے نام نہاد خلیفۃ المسلمین سلطان سلیم سے درخواست کی کہ وہ شیخ الاسلام سے ایک فتوے لکھوا دے کہ انگریز مسلمانوں کے فرائض و شعائرِ اسلامی میں دخل انداز نہیں ہوتے اس لیے ان کے خلاف جہاد جائز نہیں۔ سلطان ٹیپو دکن میں فرانسیسی افواج سے مدد لینے اور ان کے افواج کی عسکری تربیت بھی فرانسیسی سپہ سالاروں کے ہاتھ میں تھی اور فرانس نپولین کے ماتحت ترکی کا حریف تھا۔ اس نے فرانسیسیوں سے ٹیپو سلطان کا گٹھ جوڑ سلطان سلیم کو سخت ناگوار تھا۔ اس نے انگریزوں کی خواہش پوری کر دی اور مطلوبہ فتوے مہیا کر دیا۔ انگریزوں نے علمائے ہند کی وساطت سے اس کی خوب تشہیر کی۔ ان سے جہاد کے خلاف رسالے لکھوائے اور وعظ کہلوائے۔ ٹیپو سلطان لڑتے لڑتے شہید ہو گئے مگر شمالی ہند کے مسلمانوں نے انگلی بھی نہ اٹھائی۔

مجاہدین شمالی ہند کے ساتھ بھی یہ حربہ کامیابی کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اس موقع پر بھی انگریزوں نے اپنے اور ترکی کے مشترکہ دشمن کے ساتھ مجاہدین ہند کو آسانی سے وہابی یا بے دین مشہور کر دیا، ورنہ اصلیت کچھ نہیں۔

رہا عقائد میں کچھ اختلافات یا اجتہادات تو یہ دوسری ہی صدی میں معتزلہ کے ہاتھوں شدت سے رونما ہو چکے تھے۔ ان سے قطع نظر اب سے سات صدی پیشتر امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم نے استمداد بغیر اللہ، سمع موتیٰ، ایصال ثواب، پیر پرستی تعظیم قبور، نذر و نیاز سے

متعلق مدلل بحثیں اور آواز بلند کی۔ بے شک ابن تیمیہؒ نے ان کی پاداش میں قید و بند میں زندگی گزار دی اور زندان میں ہی وفات پائی مگر مرتے ہی قوم نے اُن کو ہیرو بنا لیا، اور ان کے خلاف فتاوے کا سلسلہ ختم کر دیا۔ پھر عہد اکبری میں حضرت سید احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے بھی حق گوئی کی پاداش میں ہی قید زنداں میں زندگی گزار دی۔ اس کے دو صدی کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی عام عقائد پر بحث کی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی ان کے شریک رہے مگر آج یہ سب مجتہد اور فقہا تسلیم کیے جاتے ہیں۔ مگر ایسے ہی فروعی اختلافات کی بدولت مجاہدین ہند وہابی اور بے دین ٹھہرائے گئے۔ یہ امتیاز خاص اور وہابی کا لقب ان کو صرف جہاد کے انعام میں انگریزوں سے ویسے ہی عنایت ہوا جیسے جزیرہ انڈمان کی مہمانی۔

وہابی تحریک اصلاً مذہبی تھی یا سیاسی ؟ : اس سوال پر ہمارے مورخینِ تحریک بہت اُلجھے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اسلام میں دین و سیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں یہ اجتماع و اختلاط کس طرح ممکن ہے ؟ اسلام نے ایمان کے زور سے کر دکھایا۔ اُسی عہد سے جب مسلمانوں کو پیٹ بھر روٹی نصیب نہ تھی اپنی زنگ خوردہ تلواروں، تیر کمانوں اور معدودے چند لاغر اور بے زین کے گھوڑوں پر ہزاروں بکتر بند گھوڑوں ہاتھیوں پر آزمودہ کار رومی اور ایرانی سورماؤں کے مقابلے میں ڈٹ گئے، نہ جان و مال کی پروا کی، نہ ہزیمتوں سے بے دل ہوئے۔ آخر قیصریت و خسرویت کا خاتمہ کر دیا۔ کیا یہ سیاست نہ تھی، ضرور تھی مگر دین کا جزو لازمی اور ایمان کا کرشمہ۔

ہندوستان میں شجر جہاد نظر تو صرف زمین کے اوپر آتا ہے مگر اس کی جڑیں شاہ عبدالعزیز اور شاہ ولی اللہ سے اور گہری ہوتی ہوئی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچتی ہیں۔ ہندوستان میں اکبر کی الحاد پروری کے مقابلے میں جب سارے علماء خاموش تماشائی تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے صبر سے قید و بند کی مشقتیں جھیل لیں اکبر کی سیاسی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بالفعل ان کی آرزو دل میں گھٹ کر رہ گئی، مگر یہ آرزو ان کے ارادت مندوں کے دلوں میں کلبلاتی رہی اور عمل میں نہ آسکی۔ یہاں تک کہ دو

صدی کے اندر اٹھارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ نے بھی انگریزوں کی قہرمانیت اور مسلمانوں کی محکومیت و بےچارگی محسوس کی۔ وہ مسلمانوں کی عام ذہنی و اقتصادی حالت دیکھ کر زبان ہلانے اور سیاست میں اُلجھنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ علوم کلام اور اسلامی نظریات پر انھوں نے مجتہدانہ مضامین لکھ کر اصلاحِ عقائد کی انتہائی کوشش کی۔ علمائے وقت کے علی الرغم قرآن شریف کا فارسی ترجمہ کر دیا اور ان کے بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اُردو ترجمے بھی کر دیے۔ اس طرح نظریات و اعتقادات کی اصلاح کی بنیاد ڈال دی اور سیاسی جدوجہد کے لیے بھی میدان کچھ صاف کر دیا۔ مگر سیاسی کانٹے کی کھٹک نے بے چین رکھا۔ اپنے بیٹے شاہ عبدالعزیز کو یہ کانٹا امانتہً سونپ گئے۔ وہ بھی اکیلے اپنے آپ میں اس بار کے اٹھانے کی طاقت نہ پاتے تھے ؎

کہاں یہ تاب و طاقت ہے کہ ہم قفل دہن کھولیں
خزانے کی طرح دل میں لیے بیٹھے ہیں راز اُس کا

(شادؔ)

شاہ عبدالعزیز تمام عمر اس تاک میں رہے کہ کوئی ایسا مرد مومن ہاتھ آئے جو اس تحریک اصلاح کا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو۔ اپنے بھتیجے اور شاگرد شاہ اسماعیل کو تیار کیا۔ وہ بڑے جیالے منچلے جید عالم نکلے پھر بھی ان کے معیار پر پورے نہیں اُترتے تھے۔ اُن کے داماد شاہ عبدالحئی بھی نہایت قابل صاحب بصیرت، پرہیزگار عالم تھے، مگر وہ کسی کو اپنے مشن کے لائق نہ سمجھے۔ اُسی زمانے میں سید احمد پھرتے پھراتے تحصیل علم کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے شاگرد بھی ہوئے اور مرید بھی۔ پیر نے مُرید کی بعض باتیں (جیسے مسئلہ تصوّر شیخ پر اختلاف) سُن کر اور درویشانہ اطوار دیکھ کر بھانپ لیا کہ "آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید" سید احمد ٹونک میں سپاہیانہ تجربہ بھی حاصل کر چکے تھے دین میں ان کی بصیرت کے قائل ہوگئے۔ سب سے بڑھ کر ایک چیز اور تھی۔ "بسیار شیوہ ہاست بُتاں را کہ نام نیست" وہ شیوہ جس کی تلاش تھی سید احمد میں دیکھ لیا۔ وہ تھی ان کی روحانیت و مادہ وہبی جسے ہم آپ تمیز

نہیں کر سکتے۔

جہاں تک علم و دانش کا تعلق ہے سیّد احمد کو شاہ اسماعیل سے کوئی نسبت نہ تھی، مگر شاہ عبدالعزیز نے شاہ اسماعیل اور شاہ عبدالحئی کے ہاتھ سید احمد کے ہاتھ میں دے دیے۔ شاہ اسماعیل ایسے مرید ہوئے کہ تا دمِ آخر مرشد کا دامن نہ چھوڑا اور مر کر بھی میدان بالاکوٹ میں ان کا خون مرشد کے خون سے مل گیا۔

علماء و فقہا نے دین کی جو خدمتیں کی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں مگر ان میں سے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا شاید کسی نے جہاد کے لیے تلوار اٹھا کر جانبازی نہیں دکھائی۔ تیرھویں صدی ہجری میں یہ سعادت سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور ان کی جماعت کے لیے مقدر تھی[1]

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر شخص کے نصیب میں دار و رسن کہاں

خیر یہ تو بعد کی باتیں تھیں جو بر سبیلِ تذکرہ پہلے زبانِ قلم سے نکل گئیں۔ شروع میں شاہ عبدالعزیز کی تعلیمات کی روشنی میں ان کے شاگردوں اور مریدوں، شاہ اسماعیل شاہ عبدالحئی، سید احمد وغیرہ نے اس مسئلہ پر غور و فکر کیا کہ کفار اور بالفعل سکھوں کے مسلمانوں پر آئے دن لرزہ خیز مظالم و خونخواریوں کا مقابلہ اس بے سرو سامانی میں کس طرح کیا جائے؟ مسئلہ ان کا سمجھا بوجھا ہوا تھا، آسانی سے طے پا گیا کہ یہ مقابلہ و مدافعہ اسی طرح کیا جائے جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے ہم سے زیادہ بے سرو سامانی کے باوجود کفار سے کیا اور کامیاب ہوئے۔ مسلمانوں کو غیر اسلامی زندگی سے روک کر اسلامی زندگی اختیار کرنے پر تیار کیا جائے۔ ان کو غیر اسلامی رسوم سے جو اسلامی بنا لی گئی ہیں آگاہ کیا جائے۔ جیسے شادی۔ غمی کی مختلف خود ساختہ تقریبات پر جبری اخراجات اسراف و تبذیر، یہاں تک کہ بھاری بھاری قرضوں سے ان کا انجام۔ ان کو ترک

---

[1] گروہ صوفیہ میں سے طرابلس میں سنوسیہ تحریک اور سمالیہ میں مہدی سوڈانی کی قربانیاں بھی ناقابل فراموش ہیں۔ لیکن ان کا ظہور وہابی تحریک کے بعد ہوا اور دونوں کا حشر وہی ہوا جو وہابی تحریک کا لعلّ اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔

کرکے کفایت شعاری و سادہ زندگی سے بچائی ہوئی دولت اور ہمت تبلیغ دین اور جہاد پر صرف کی جاسکتی ہے۔

جہاد کا بھولا ہوا سبق پھر یاد کرایا جائے۔ ہر مسلمان عمر بھر اپنے آپ کو سپاہی سمجھے، مرنے مارنے کو تیار رہے۔ سپاہیانہ زندگی کے لیے نکاح بیوگان اور تعداد ازواج بھی جاری کیا جائے کیونکہ نکاح محض نفسانی وجنسی تقاضا نہیں، بلکہ گوناگوں اقتصادی، سماجی، سیاسی وفوجی مسائل کا حل بھی ہے۔ خصوصاً اُس زمانے میں جب کہ محاربین کی کثرت تعداد فوجی کامیابی کا بہت قوی عنصر تھی۔

اسی طرح پیروں کی لوٹ کھسوٹ اور اس کے نتائج پر غور کیا گیا۔ اور طے پایا کہ قبروں کی آرائش، روضوں کی تعمیر، بزرگوں کے مزاروں کی جاترا، عرس، نذرونیاز پر ضائع ہونے والی رقمیں بچائی جائیں۔ اسی طرح اپنی اور مُردوں کی سکونت (مقبروں) مساجد، مدارس کے لیے عالی شان عمارات کی تعمیر سے اجتناب کا فیصلہ کیا گیا۔ ایسے افعال کا نتیجہ مسلمانوں نے پاکستان کو ہجرت کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ نیز مسلمانوں کے ذہن نشین کیا جائے کہ ان کا کوئی ایک وطن نہیں "مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" اور مدفن کے لیے بھی مردہ عزیزوں اور بزرگوں کے قرب کی تلاش بھی خام خیالی ہے۔

ان تمام اصلاحات کو آپ مذہبی کہیں گے یا سیاسی؟ کچھ بھی نہیں اور سب کچھ۔ اسلام میں سیاست جدید معنوں میں کوئی اصطلاح ہی نہیں۔ مسلم لغت میں یہ لفظ موجود نہیں۔

تعارف: ڈاکٹر قیام الدین احمد پروفیسر تاریخ پٹنہ یونیورسٹی کی یہ تالیف درحقیقت ان کی پی ایچ ڈی کا تحقیقاتی مقالہ ہے۔ ہرچند اس موضوع پر کئی تالیف انگریزی اور اُردو میں موجود ہیں جن میں مولانا غلام رسول مہر کی تالیف سید احمد شہید، جماعت مجاہدین و سرگزشت مجاہدین پر مشتمل چار جلدوں میں اتنی شرح وبسط، تحقیق و تدقیق اور ساتھ ہی انشاء پرداز قدرت سے لکھی گئی ہیں کہ اب تک وہ اس موضوع پر حرف آخر سمجھی جاتی ہیں۔ مگر تاریخ میں کوئی حرفِ آخر مشکل سے ہوتا ہے یہ جنگل ناپیدا کنار ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس تحقیقات کے دوران میں بہت سے ایسا مواد مل گیا جن تک اوروں کی رسائی نہ تھی، علاوہ بریں وہ خاند

صادق پور کے چشم و چراغ بھی ہیں۔ تحریک کے ایک عظیم قائد مولانا احمد اللہ کے بیٹے حکیم عبدالحمید کے نواسے (ڈاکٹر عظیم الدین احمد صدر شعبہ عربی پٹنہ کالج) کے پوتے ہیں۔ اسی طرح ان کو اپنی خاندانی روایات پر بھی بہت کچھ دسترس ہے۔ ان سہولتوں سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے تحریک سے متعلق مزید تحقیق اور بعض غلط فہمیوں کی اصلاح بھی کر دی ہے۔ اب اس موضوع پر ان کی کتاب کم سے کم انگریزی میں حرف آخر ہے۔

اس لیے میں نے باوجود کبر سنی و ضعف بصارت اس کا ہو بہو مکمل ترجمہ پیش کر دیا۔ خاکسار مترجم بھی اسی خاندان کا ایک "بدنام کنندۂ نکونامے چند" ہے اور تحریک کے دوسرے بزرگ تر قائد، سید احمد شہید کے خلیفہ ثانی مولانا عنایت علی کا پوتا ہے۔ اس جہت سے اس کا تعلق قدیم تر ہے اور روایات خاندانی سے واقفیت میں کسی سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ اس لیے میں نے اتنی جسارت کی کہ جابجا ذیلی حاشیہ (فوٹ نوٹ) میں مولف کے بعض تسامح یا غلط فہمی کی توضیح بھی کر دی۔ امید ہے کہ اب اردو میں یہ کتاب وہابی تحریک کی مکمل روداد، اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے چراغ راہ ثابت ہوگی۔

مؤلف کے بعض ذیلی حواشی، خصوصاً دستاویزات کے کچھ حوالے میں نے ترک کر دیے ہیں اس لیے ان حوالہ جات تک عام قارئین کی رسائی مشکل ہے۔ باقی تمام حوالے مع فہرست مآخذ اردو فارسی بھی نقل کر دیے ہیں۔

اکثر مقامات ایسے ہیں جن سے اب اکثر قارئین کو شاید کوئی دلچسپی نہ ہو۔ مگر میں نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ ان ناموں میں سے کچھ مجاہدین و معاونین جہاد کی اولاد ہیں جو اپنے اسلاف کے کارناموں سے ناواقف یا غافل و بے پروا ہو کر بے فکر زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے لیے اپنے فراموش کردہ اسلاف کے کارناموں کا ذکر تازیانۂ عبرت ہوگا۔ ان کی آواز اب بھی سن لیں گے۔

"دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو"

ہر مسلمان کو ہر زمانہ اور ہر زمین میں مجاہد رہنا ہے۔

تعظیمی خطاب مولف کتاب نے تمام مجاہدین و اکابر کے نام جن میں اکثر جلیل القدر

علماء ہیں کسی تعظیمی خطاب مثلاً شہید، مولانا، مولوی یا حضرت کے بغیر لکھے ہیں۔ یہی انگریزی تاریخوں کا دستور بھی ہے۔ میں نے بھی ترجمہ بعینہ کر دیا ہے۔ اپنی طرف سے تعظیمی الفاظ نہیں بڑھائے۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ یہ بزرگوار ہر تعظیمی توصیف سے مستغنی تھے۔

زعشق نا تمامِ ما جمالِ یار مستغنی ست
بآب و رنگ خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

محمد مسلم عظیم آبادی (پروفیسر)
کراچی ۳۱ر جنوری ۱۹۷۱ء۔

تمہید

ڈاکٹر قیام الدین احمد

۱۹۵۲ء میں کے۔ پی جیسوال انجمن تحقیقات پٹنہ میں ایک تحقیقاتی طالب علم کی حیثیت سے میرے تقرر کے فوراً بعد حکومت بہار نے مجھے ڈاکٹر کے دتا کے زیر نگرانی جو انجمن کے اعزازی جائنٹ ڈائرکٹر تھے، کنور سنگھ اور امر سنگھ کے سوانح حیات مرتب کرنے کے لیے مامور کیا۔ اس کام میں مجھے صرف بہار کے تقریباً تمام ضلعی اور ڈویژنل محافظ خانے ہی نہیں بلکہ پٹنہ، کلکتہ، الہ آباد اور دہلی کے محافظ خانے کھنگالنا پڑے۔ اُس وقت میری تحقیقات کا خاص موضوع بہار میں ۵۹-۱۸۵۷ء کی تحریک تھا۔ لیکن اکثر دستاویزات جو میرے ہاتھ آئے اُس فساد کے زمانے میں وہابیوں اور ان کی جدوجہد سے بھی متعلق تھے۔ وہابیوں کے متعلق جزواً جزواً جو معلومات مجھے حاصل ہوئیں ان سے اسی موضوع پر میرا شوق تجسس بھڑک اُٹھا۔

وہابی تحریک کی تاریخ کی تالیف و ترتیب ایک کٹھن اور بڑا محنت طلب کام تھا۔ مختلف سرکاری محافظ خانوں سے اہم معلومات جمع کرنا اور کاغذات، پرانی کتابوں اور مسودوں کی جانچ پڑتال اور مطالعہ کرنا تھا۔ ان کے علاوہ تحریک کی مکمل تصویر کشی کے لیے کچھ نادر و نایاب ممنوع الاشاعت وہابی رسالے گوشۂ گمنامی سے کھود کر باہر نکالنا تھے اگرچہ لفظ وہابی غلط تسمیہ ہے مگر اس کی تشہیر و استعمال عام کی وجہ سے میرے لیے اس کتاب کے نام میں اسے اختیار کرنا ناگزیر سا ہو گیا۔ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین کو اہل حدیث یا موحدین یا مصلحین سے تعبیر کرنا اور ہر جگہ توسین میں "وہابی" کے لفظ کا اضافہ کرنا اور کچھ نہیں تو جھنجھٹ ضرور تھا۔ انگریزوں اور اکثر ہندوستانی مصنفوں کا اس خطاب کے استعمال پر اصرار و ابرام عمداً اور بدنیتی پر محمول معلوم ہوتا ہے۔

(اب) نجدی وہابیوں نے شروع میں عوام کے بعض اعمال کو جن کو وہ غیر اسلامی تصوّر

کرتے تھے روکنے کے لیے فرطِ جوش میں جن حرکات کا ارتکاب کیا ان کی بدولت یہ جمہور مسلمانانِ ہند اور دوسری جگہوں میں بہت بدنام اور انگشت نما رہے۔ حکومت برطانیہ کی نظر میں تو لفظ وہابی غدار اور باغی کا مترادف تھا۔ اس طرح سید احمد کے متبعین کو وہابی سے تعبیر کر کے اُس وقت کے سرکاری حکام ایک تیر سے دو چڑیوں کا شکار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ایک تو اعلیٰ حکام کے طبقے میں ان پر باغی ہونے کا داغ لگانا دوسرے عام مسلمانوں میں انتہا پسند متعصب اور متاثر کا غارت گر قرار دینا۔ یہ لفظ ایک مذہبی سیاسی دشنام بن گیا۔ بہر حال اس کتاب میں وہابی کا خطاب برقرار رکھا گیا۔ اس لفظ کے غلط مفہوم سے جو اس میں پنہاں ہے مؤلف کو قطعًا کوئی سروکار نہیں۔

یہ کتاب دراصل پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے میرے اُس مقالے پر مبنی ہے جو میں نے ۱۹۶۱ء میں پٹنہ یونیورسٹی میں پیش کیا تھا اس کے بعد بعض نئے مواد جو باہر سے دستیاب ہوئے اُن کی مدد سے اس کی نظر ثانی کی گئی، نئی ترتیب دی گئی اور توسیع کی گئی۔ یہ ایک حد تک اس تاخیر اشاعت کا عذر ہے۔

یہ کتاب کئی اصحاب کے زیر بار منت ہے۔ میرے لیے اپنے دو واجب التعظیم استاد ڈاکٹر کے دتا وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی اور پروفیسر سید حسن عسکری کے شکریہ کے کماحقہ احساس کا اظہار ناممکن ہے۔ ڈاکٹر دتا کی عالمانہ رہنمائی، ترغیب اور دلچسپی کے بغیر میرا مقالہ اور یہ کتاب شاید تکمیل نہ پا سکتی۔ موضوع کے وسیع مطالعہ کے ساتھ پروفیسر عسکری کا مشورہ اور مدد نہایت گراں بہا ثابت ہوئی جو ہر وقت مجھے حاصل رہی اور کام میں سہولت کا باعث ہوئی۔ میرے دوسرے واجب التعظیم استاد ڈاکٹر آر ایس شرما نے میرا مسودہ مطالعہ فرما کر عام قیمتی مشوروں سے نوازا۔ شعبہ مسودات فارسی کتب خانہ پٹنہ یونیورسٹی سے متعلق مرحوم فصیح الدین بلخی بھی ایک قیمتی ذریعہ اعانت تھے۔ کے پی جیسوال کی تحقیقاتی انجمن کے ایک رکن (فیلو) ڈاکٹر جے ایس جھا نے اس موضوع پر کچھ دستاویزات کی نشان دہی کر کے میری مدد کی۔

سنٹرل ریکارڈز آفس پٹنہ، کلکتہ، الہ آباد، پٹیالہ کے قومی محافظ خانوں اور ڈویژنل کمشنر پٹنہ کے دفتر کے محافظین دستاویزات کے افسروں کا بھی شکر گزار ہوں۔ کلکتہ کے محافظ دستاویزات

مسٹر جے سی گوسوامی بھی بالخصوص ہمیشہ اعانت کے لیے آمادہ رہے۔ میں نیشنل لائبریری بہار ریسرچ سوسائٹی اور پٹنہ کالج کے کتب خانوں کا بھی تحقیقات کے دوران مختلف سہولتیں مہیا کرنے کے لیے ممنون ہوں۔

میرے بھائی ہشام نے ٹائپ شدہ مسودہ کی تصحیح اور تیاری میں میری مدد کی۔ میں خاص طور پر اپنی بیگم کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ہمیشہ خاموشی کے ساتھ میری مدد کی اور اس کتاب کی تیاری کی طویل المدت اور کبھی کبھی کٹھن گھڑیوں میں میرا ہاتھ بٹایا۔ میں مسٹر کے ایل موکو پادھیا کی اس توجہ اور صبر و استقلال کا اعتراف کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا جو انہوں نے کتاب کی طباعت میں دکھائی۔

قیام الدین احمد
۹ ستمبر ۱۹۶۶ء۔ خواجہ کلاں۔ پٹنہ سٹی

تعارف

(مآخذ کا جائزہ)

وہابی تحریک انگریزوں کے خلاف اُن شدید ترین قدیم ترین اور ممتد ترین تحریکوں میں سے تھی جو اٹھارہویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک مہتم بالشان عنصر ہے۔ تاہم یہ افسوس ناک امر ہے کہ اگرچہ اس عظیم تحریک پر ابھی ایک صدی بھی نہیں گزری مگر اب تک کسی تاریخی تالیف میں اس پر کماحقہ بحث کی گئی نہ صحیح نقطہ نگاہ سے نظر کی گئی ہے۔ آج تک وہابیوں پر ایک سر ولیم ہنٹر کی کتاب مطبوعہ ۱۸۷۱ء کے سوا کوئی جامع تصنیف موجود نہ تھی۔ انیسویں صدی میں ہندوستان کی سماجی بیداری اور اصلاحات پر فی الحال بھی جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں وہابی تحریک کا کوئی تذکرہ نہیں آتا۔ حالانکہ سیاسی حیثیت سے قطع نظر یہ تحریک ہندوستانی مسلم معاشرہ کی سماجی مذہبی اصلاح کی نہایت اہم جدوجہد کی نشان دہی کرتی ہے۔

تحریک کی ابتدائی تاریخ بالخصوص سید احمد کی وفات تک کے زمانے سے متعلق جستہ جستہ معلومات مخطوطات، مسودات، پرانی اور نایاب کتابوں اور فارسی اردو انگریزی رسالوں میں اِدھر اُدھر بکھری پڑی ہیں۔ ان بچے بچائے ذرائع معلومات کا جائزہ یہاں بے محل نہ ہوگا۔

سید احمد کے سوانح حیات پر قدیم ترین تالیف حضرت شہید کے بھانجے، شاگرد اور قریب ترین رفیق سید محمد علی کی "مخزن احمدی"[1] ہے اس میں اُن کی عرب سے مراجعت تک کا ایک عام بیان ہے اور بعد کے تمام تذکرہ نویسوں نے اسی سے استفادہ کیا ہے، یہ نواب وزیر الدولہ (۱۸۳۴ء تا ۱۸۶۴ء)

---

[1] اورنٹیل پبلک لائبریری (کتب خانہ شرقیہ پٹنہ) کا مخطوط مورخہ ۱۲۶۳ھ بقلم احسان علی۔ یہ اس تالیف کا قدیم ترین موجودہ نسخہ ہے جو سب سے پہلے ۱۲۶۱ھ میں لکھا گیا تھا۔ غلام رسول مہر کا یہ خیال (مذکورہ جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۶) غلط معلوم ہوتا ہے کہ یہ تالیف ۱۲۸۳ھ میں مکمل ہوئی۔

والیٔ ٹونک کی فرمائش سے لکھی گئی اور انہیں کے نام پر معنون ہے۔ وزیر الدولہ اپنے والد نواب امیر خاں کے ساتھ وہابی تحریک کے ایک اہم سرپرست رہے۔ دراصل ٹونک وہابیوں کا ایک اہم مرکز رہا ہے، اور ریاست ٹونک کے قدیم کتب خانے میں اس موضوع پر مواد کا ایک قیمتی ذخیرہ موجود تھا۔ وزیر الدولہ خود بھی ایک کتاب مسمی وصایائے وزیری کے مصنف تھے جس میں سید احمد اور اُن کے بعض رفقاء کا تذکرہ ہے۔ اسے نواب محمد علی خان نے ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں مفید عام پریس آگرہ سے شائع کیا۔

سید احمد کا ایک اور سوانحی تذکرہ جعفر علی نقوی کی تاریخ احمدیہ ہے۔ مؤلف ایک اچھے کاتب تھے اور سید احمد نے ان کو اپنا صدر منشی اور دفتری کاغذات کا ناظم مقرر کیا تھا۔ اس حیثیت سے اُن کو وہابیوں پر لکھنے کا ایک مناسب موقع حاصل تھا۔ بہت سے واقعات میں جو انہوں نے بیان کیے ہیں انہوں نے خود حصّہ لیا تھا۔ وہ سید احمد کے ساتھ شمالی مغربی سرحد پر رہے ان کی شہادت کے بعد ہندوستان لوٹ آئے اور ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵ء) میں یہ کتاب تالیف کی۔ فہرا اس کتاب کے ایک مخطوطے کی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں نشان دہی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس میں بنگال میں ٹیٹومیر کی شورش کا ذکر بھی ہے، جو کسی اور فارسی تذکرے میں مذکور نہیں۔ بدقسمتی سے اس قیمتی مخطوطہ کا کوئی نسخہ مجھے دستیاب نہ ہوا۔

وقائع احمدی یا تاریخ کبیر ایک ضخیم تذکرہ ہے جس میں سید احمد کے بعض رفقاء کی متعدد سرگزشتیں جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب بھی نواب وزیر الدولہ کی سرپرستی میں تالیف ہوئی جنہوں نے سید احمد کے بہت سے رفقاء کو جمع کیا اور ان کے بیانات قلم بند کیے اس کتاب کی پہلی جلد ۱۲۷۶ھ (۱۸۵۹ء) میں تمام ہوئی۔ اس کتاب کے کئی نسخے مختلف مقامات میں موجود ہیں، جن میں کتب خانہ ریاست رام پور بھی ہے۔ اس میں سید احمد کی زندگی کی اور سرحد کے معرکوں کی کچھ قیمتی تفصیلات ملتی ہیں، لیکن دراصل یہ روایات کا مجموعہ ہے اور خوش اعتقادی کے عناصر سے خالی نہیں۔

"تاریخ ہزارہ" میں ہزارہ اور اس سے ملحق علاقہ جات جموں و کشمیر میں سکھ حکومت کے قیام سے لے کر گلاب سنگھ کی تخت نشینی تک کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ضلع

کانپور کے ایک کالیستھ مہتاب سنگھ نے علاقہ ہزارہ کے پہلے انگریز ناظم الامور جیمس ایبوٹ کی فرمائش سے لکھی۔ مہتاب سنگھ نوکری کی تلاش میں سرحد شمالی و مغربی کو گیا تھا۔ اور کچھ عرصہ تک کنور کھڑک سنگھ، فتح سنگھ مان اور ہری سنگھ کے تحت خدمت کی تھی۔ سموت (۱۸۲۶ء) میں ہزارہ سرکار کے دفتر میں اُس کا تقرر ہو گیا ۱۸۵۴ء تک تیس سال اس عہدے پر رہا۔ اسی زمانے میں ایبوٹ نے اُسے علاقہ ہزارہ کے حالات لکھنے پر مامور کیا۔ موجودہ نسخہ لندن کے تعلقاتِ ریاستہائے جمہوریہ کے دفتر کے کتب خانہ کی ملکیت ہے اور اس پر تاریخ ۱۸۵۴ء درج ہے۔ اس میں سید احمد اور سکھ جنرل شیر سنگھ کے درمیان اہم معرکۂ بالاکوٹ کا تفصیلی بیان ہے۔ اس کی وقعت اس حقیقت سے بڑھ جاتی ہے کہ یہ اُس شخص کی تحریر ہے جسے ۱۸۲۴ء سے ۱۸۵۴ء تک کی پوری مدت میں جائے وقوع پر موجود ہونے کا نادر موقع حاصل ہوا، اور جسے مال گزاری سے متعلق تمام کاغذات دستیاب تھے۔ مؤلف کا دعوٰے ہے کہ اس نے تمام واقعات جو بیان کیے ہیں ان میں سے اکثر اس کے چشم دید ہیں۔ چونکہ یہ کتاب ایک انگریز کی سرپرستی میں لکھی گئی اس لیے مؤلف کے لیے آسانی سے ممکن ہوا کہ وہ اُس وقت تک اپنے آقاؤں کے دو دشمنوں کے درمیان جنگ کے متعلق غیر متعصبانہ رائے کا اظہار کر سکے۔ اب تک اس کتاب کی طرف کسی نے اعتنا نہیں کی تھی۔ مہر نے سید احمد کے سرحدی محاذات پر تمام ممکن معلومات کا جائزہ لینے پر بہت محنت صرف کی ہے اس ماخذ سے اُن کی نظر بھی چوک گئی۔

صراط مستقیم سید احمد کے اقوال و افکار کی بنیاد پر شاہ اسماعیل اور عبدالحئی کی مشترک تالیف ہے بعض لوگوں نے اسے وہابیوں کے قرآن کا نام دیا ہے۔ یہ سید احمد کی اساسی تعلیمات پر مشتمل ہے اور اس میں مسلمانوں میں مروجہ سماجی مذہبی اعمال و رسوم کا بیان بھی ہے۔ اسے تحریک کا سماجی مذہبی منصوبوں کا منشور تصور کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے مطبوعہ نسخے اور اُردو ترجمے بھی موجود ہیں۔ میں نے ایک نایاب نسخے سے استفادہ کیا ہے جو سید احمد کے پہلے خلیفہ شاہ محمد حسین کے ذاتی مطالعہ کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس نسخے کے آخر میں شاہ صاحب موصوف کو سید احمد کی بخشی ہوئی نایاب سندِ خلافت بھی موجود

ہے۔حوالے کے لیے میں نے اس کتاب کا ایک مطبوعہ نسخہ استعمال کیا ہے۔

سید احمد اور ان کے بعض رفقاء کے مکتوبات کے کئی مجموعے ہیں۔ یہ مختلف مقامات میں موجود ہیں۔سید احمد کے مکتوبات کا ایک بہت اہم نسخہ پٹنہ یونیورسٹی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے۔اس میں ایک تتمہ بھی ہے جس میں سرحد پر وہابیوں کی قائم کی ہوئی آزاد ریاست کا حال بھی مذکور ہے۔

اُردو میں مطبوعہ نسخوں میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

تواریخ عجیبہ یا سوانح احمدی مولفہ محمد جعفر تھانیسری۔ وہ ایک دقیع وہابی تھے اور انبالہ کے مقدمے میں بغاوت کے الزام میں سزایاب ہوئے۔ان کو جزائر انڈمان میں حبس دوام کی سزا ملی تھی۔لیکن اٹھارہ سال قید میں گزارنے کے بعد وطن واپس آکر انہوں نے یہ کتاب لکھی۔ اسی میں سید احمد اور ان کے بعض رفقاء کی جامع سرگزشت بیان کی گئی ہے اس میں سید احمد کے بہت سے مکتوب کے متن بھی نقل کیے گئے ہیں جو مختلف اشخاص کو لکھے گئے تھے۔

محمد جعفر نے دو اور کتابیں بھی لکھیں: تاریخ عجیب معروف بہ کالا پانی اور تواریخ عجیب۔ ناموں میں یہ خفیف فرق قابل توجہ ہے۔ اصل میں یہ مادہ تاریخ اشاعت اول الذکر جو سنہ ۱۸۸۴ء میں لکھی گئی۔اس میں مقدمہ انبالہ کی روداد اور جزائر انڈمان تک کے سفر میں قیدیوں پر مظالم کے واقعات درج ہیں جن کا کسی اور ذریعہ سے زیادہ علم دستیاب نہیں۔آخرالذکر کتاب مولف نے دوران قید میں لکھی تھی اور یہ جزائر انڈمان کی جغرافیائی تصویرکشی کرتی ہے۔

سیرۃ سید احمد شہید مولف ابوالحسن علی ندوی۔ مہر کی جامع بسیط الذیل کتاب کی اشاعت سے قبل تک سید احمد کے سوانح حیات پر یہی ایک مفصل ترین تالیف تھی۔یہ زیادہ تر فارسی ماخذ پر مبنی ہے اور وقت کی سیاسی حالت کی طرف اعتنا نہیں کی گئی ہے۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مولفہ سید مسعود عالم ندوی۔یہ زیادہ تر پٹنہ کے

۱؎ حیات سید احمد شہید اور مکتوبات سید احمد شہید کے نام سے نفیس اکیڈیمی نے شائع کی ہے۔

وہابیوں کے کرداروں سے متعلق ہے۔ مولف نے فارسی و عربی مآخذ کے علاوہ کچھ انگریزی تصنیفوں اور سرکاری دستاویزوں سے بھی کام لیا ہے۔ موضوع کا طرزِ نگارش منطقی اور تاریخی ہے۔ اور سید احمد کے ساتھ وہ مفرط تعظیمی اسلوب جو بدقسمتی سے بعض اور تالیفات متذکرہ بالا کی تاریخی قدر و قیمت کو بہت گھٹا دیتا ہے بہت کم اختیار کیا گیا ہے۔ اُن دو مسئلوں پر بھی بحث کی گئی ہے جن سے بالعموم غفلت برتی گئی ہے۔ ایک تو ۱۸۵۷ء کی تحریک میں وہابیوں کا دخل۔ دوسرا نجدی وہابیوں کا ہندوستانی وہابیوں پر مفروضہ اثر۔

کئی تالیفات خاندان صادق پور کے ارکان کی ہیں۔ ان میں سب سے اہم تذکرہ صادقہ مولفہ عبدالرحیم ہے جو جعفر تھانیسری کے ساتھ قید ہوئے اور انہیں کی طرح قید سے رہا ہونے کے بعد یہ کتاب لکھی۔ قائدین پٹنہ خصوصًا ولایت علی عنایت علی، یحییٰ علی اور احمد اللہ کے کارناموں پر مشتمل خاندان کا یہ سوانحی تذکرہ بہت کار آمد ہے۔ خاندان کی روایت کے مطابق اس کتاب کے پہلے مسودہ میں زیادہ مواد جمع تھا مگر مصلحت وقت اور بعض احباب کے مشورے سے مؤلف نے اشاعت سے پہلے حکومت کے خلاف اجزا خارج کر دیے۔ سب سے پہلے اسے مؤلف کے چھوٹے بیٹے نور الہدیٰ نے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا۔ میں نے طبع دوم کا نسخہ استعمال کیا ہے۔ جو عبدالغفار صاحب مرحوم صادق پوری کے پاس تھا۔ وہ مؤلف کے قریبی رشتہ دار تھے اور تحریک کی تاریخ سے خاندان میں سب سے زیادہ باخبر تھے۔ ان کے مملوکہ نسخے میں ان کے ہاتھ کے بہت سے حواشی لکھے ہوئے ہیں[1] جن میں ارکان خاندان اور مرکز پٹنہ کے نظم سے متعلق بہت ہی اہم تفصیلات ہیں۔ تیسرا ایڈیشن عبدالرحیم کے نواسے حکیم عبدالخبیر صاحب نے ۱۹۶۴ء میں شائع کیا۔ اس ایڈیشن کے تتمے میں حکیم عبدالخبیر نے بعض امور پر مزید اطلاعات ضم کی ہیں[2]

---

[1] اس ایڈیشن میں کثرت سے الحاقات ہیں جو قیاسی اور غیر مصدقی ہیں۔ اس کتاب میں مترجم نے ذیلی حواشی میں مناسب مقامات پر نشان دہی کر دی ہے [2] یہ دوسرے ایڈیشن کا بالکل چربہ ہے اور اسی کے نقائص سے مملو ہے۔ اور پہلے ایڈیشن سے ویسا ہی مختلف۔ افسوس ہے کہ پہلا ایڈیشن ڈاکٹر قیام الدین احمد کو دستیاب نہیں ہوا۔ مترجم کے پاس موجود ہے۔

"رسالہ تعزیہ" یہ ولایت علی، عنایت علی اور فیاض علی کی کچھ تحریرات کا مجموعہ ہے جس میں کچھ دینی سماجی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ صراط مستقیم کی طرح یہ رسالہ بعض سماجی اور دینی مباحث پر وہابیوں کے نظریات کی توضیح کرتا ہے۔

مثنوی شہر آشوب از حکیم عبدالحمید۔ اس کے مصنف احمد اللہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ اور خاندان کے سردار کی حیثیت سے ۱۸۶۵ء میں گھروں سے نکالے جانے کے بعد نظم کا سارا بار انہیں کے سر تھا۔ انہوں نے احمد اللہ کی سزایابی کے بعد خاندان کے مصائب کی داستان فارسی میں نظم کی۔ یہ یونانی دواخانہ پریس الہ آباد میں طبع ہوئی۔ میرے پاس اس نظم کا قلمی مسودہ بھی موجود ہے جو مصنف کے زیر مطالعہ تھا۔

دُرِّ مقال از عبدالحق آردی۔ یہ فارسی میں غزوۂ امبیلہ کی منظوم داستان ہے مصنف نے کئی سال شمالی مشرقی سرحد کے مرکز پر بسر کیے تھے۔ اس کے بعد ستھانہ کے سردار جبار شاہ کے ماتحت کسی عہدے پر مامور ہوئے، اس کے بعد وہیں پیوند خاک ہوئے۔ یہ ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۹ء) میں تصنیف ہوئی۔ تھرد جلد ۱، صفحہ ۲۵-۲۶) سید جبار شاہ کے مملوکہ ایک نسخہ کا ذکر کرتے ہیں وہ اس کتاب کی اشاعت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ لیکن اس کا ایک مطبوعہ نسخہ پروفیسر محمد مسلم استاد سینٹ کولمباز کالج ہزاری باغ کا مملوکہ پٹنہ کالج لائبریری کے شعبہ مسودات میں محفوظ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حکیم عبدالحمید کے مساعی سے طبع ہوا جن کو اس کتاب کا ایک کرم خوردہ مخطوطہ مل گیا تھا۔ چونکہ بہت سا حصہ ضائع ہو چکا تھا اور خالی حصے صحیح طور پر پُر نہیں کیے جا سکے۔ اس لیے جیسا ناقص تھا ویسا ہی طبع کر دیا گیا[1]۔

---

[1] اصل یہ ہے کہ یہ ناقص مخطوطہ اوکینلی کو کہیں سے مل گیا تھا۔ اس کی اشاعت کے لیے اُس نے ۱۸۹۹ء کے قریب اسے صادق پور پریس میں اس درخواست کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ صادق پور کے کسی عالم سے اس کے خلاؤں کو پُر کرا کے مخصوص حلقہ میں اشاعت کے لیے معدودے چند نسخے طبع کیے جائیں یہ کام حکیم عبدالحمید کے ذمہ کیا گیا تھا۔ اپنی طباعی سے انہوں نے جا بجا خلا پُر کر دیا مگر زیادہ حصہ خالی رہ گیا۔ وہی شائع کر دیا گیا۔ مالک مطبع میرے خالو تھے گو میں طفل مکتب تھا ایک نسخہ میں نے خلاف ہدایت ان سے لے کر رکھ لیا تھا (مترجم)

سید احمد اور وہابی تحریک پر غلام رسول مہر کی چار جلدیں جدید ترین اور اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع تالیف ہے۔ یہ چار جلدیں جو دو ہزار سے زائد صفحات پر محیط ہیں ان کے مطالعہ سے مؤلف کی صبر آزما اور جانفشاں محنت اور خلوص ظاہر ہے۔ پہلی دو جلدیں مسمّٰے سید احمد شہید ایک ساتھ مجلد ہیں۔ باقی دو جلدیں جماعت مجاہدین وسرگزشت مجاہدین کے ناموں سے موسوم ہیں۔ مؤلف نے جن مآخذ کو استعمال کیا ہے۔ ان میں سے مواد کی ایک کثیر مقدار سے (جن میں سے بعض پر پہلی بار نظر ڈالی گئی ہے) استفادہ کیا گیا ہے مگر معاصر سرکاری دستاویزات پوری طرح کھنگالی نہیں گئیں۔ ۵۹-۱۸۵۷ء کی تحریک سے متعلق وہابی تحریک پر بحث نہیں کی گئی ہے۔ مؤلف نے ۱۸۱۸ء سے ۱۸۴۷ء تک وہابی تحریک کا پورا جائزہ لیا ہے اُس زمانے میں ۵۹-۱۸۵۷ء کی تحریک ایک مہتم بالشان واقعہ تھا اور دوسری تحریک کے پہلو بہ پہلو اس پر بھی بحث کرنا تھی۔ پھر وہابی تحریک کی ناکامی کے اسباب یا مختلف میدانوں میں اس کی خدمات کا کوئی ذکر نہیں۔

ایک پرانے اردو ماہنامہ اشاعتِ سنتِ نبویہ (جلد ۴ ھ۱۱ مورخہ نومبر ۱۸۸۱ء) میں جو مطبع ریاض ہند امرتسر سے طبع ہوتا تھا وہابیت پر کسی گمنام اہل قلم کے تین مقالے شائع ہوئے تھے۔ پہلے دو میں اس دعوے پر کہ سید احمد کے پیرو وہابی ہیں قانونی دلائل سے بحث کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ لوگ فی الحقیقت حنفی مسلمان تھے۔ تیسرے مقالے میں ہندوستان میں وہابی تحریک کی مختصر تاریخ لکھی ہے جو مندرجہ ذیل چار حصوں میں تقسیم کی گئی ہے: (۱) ۳۱-۱۸۲۳ء سید احمد کے ابتدائی معرکے۔ (۲) ۴۷-۱۸۳۱ء ولایت علی اور عنایت علی کی کارروائیاں، پنجاب میں ان کی گرفتاری اور پٹنہ میں ان کے اخراج تک (۴) سرحد شمالی و مغربی کو اُن کی مراجعت اور مابعد کی کارروائیاں۔

معارف کے پرانے شماروں میں بھی تحریک کے کئی پہلوؤں پر کارآمد مقالے بالخصوص مسعود عالم ندوی کے شائع ہوئے۔

انگریزی مطبوعہ مآخذ میں سے ہنٹر کی آور انڈین مسلمانس ایک تنہا قیمتی تصنیف ہے۔ تالیف ہذا میں اس پر علیحدہ بحث کی گئی ہے۔ جرنل آف رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن بمبئی کلکتہ کی ابتدائی جلد میں بھی قابل ذکر ہیں۔ کلکتہ ریویو میں اوکنیلی کے طویل معلوماتی مقالے بھی

اس موضوع کے طالب علموں کے لیے گراں قدر ہیں۔ جرنل آف رایل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی بیر رہاتسیک نے عرب اور ہندوستان میں وہابیت کا ایک عام جائزہ پیش کیا ہے۔ شمالی مغربی سرحد پر وہابی مرکز کے خلاف فوجی معرکوں سے متعلق متعدد تحریریں ہیں، مثلاً ایچ ڈبلیو پیگیٹ (کلکتہ ۱۸۷۴ء) کی شمالی مغربی سرحدی قبائل کے خلاف مہموں کی روداد، ایچ ڈبلیو بیلیو (لاہور ۱۸۶۴ء) یوسف زئیوں پر ایک عام رپورٹ، اور کرنل ایڈ ائی (لندن ۱۸۶۷ء) کی ستھانہ ان کے علاوہ کچھ فوجی حکام کی جنہوں نے وہابیوں کے خلاف مہمیں چلائیں، یادداشتیں اور سرگزشتیں ہیں یہ ساری تحریریں زیادہ تر وہابیوں کے خلاف کش مکش کے عسکری پہلو پر بحث کرتی ہیں۔

اُس زمانے کے انگریزی اور دیسی زبانوں کے اخبارات اور رسائل بھی تحریک کے بعض پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہنٹر نے ۱۸۶۴ء میں انگلش مین اور پایونیر میں عام "محمدنزم" (مسلمانی) اور انگریزی حکومت میں مسلمانوں کی معاشرتی حالت پر کئی مقالے شائع کیے۔ انگلش مین نے ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو مقدمہ انبالہ پر ہربرٹ ایڈورڈیز کے فیصلے پر ایک طویل تبصرہ کیا۔ وہابیوں کے خلاف مختلف فوجی مہموں کی روز بروز کی کارروائیوں پر اخبار بنگال ہرکارو میں مضامین شائع ہوتے رہے۔

ماٰخذ متذکرہ بالا کے جائزے سے ظاہر ہوگا کہ ان کا تعلق زیادہ تر تحریک کی ابتدائی تاریخ (۱۸۳۱ء تک) اور سرحد پر جنگوں سے ہے۔ لیکن یہ کتاب زیادہ تر حکومت ہند اور حکومت بنگال کی اُس وقت کی سرکاری رپورٹوں اور دستاویزوں پر مبنی ہے اجو اس تحریک کے تمام پہلوؤں، اس کے قائدوں، ان کی کارروائیوں اور ان کے خلاف حکومت کے طریق کار اور اقدامات سے متعلق قیمتی معلومات مہیا کرتی ہیں۔ اگرچہ جا بجا ان میں تعصب کی آمیزش بھی ہے، پھر بھی وہ اس موضوع پر نہایت کارآمد اور ٹھوس دستیاب مواد ہیں۔ یہ دستاویزات چھوٹے چھوٹے پرزوں پر یا حواشی پر پنسل سے لکھے ہوئے نوٹوں، اور ہاتھ سے لکھے ہوئے مسودات

لہ یہ فہرست جامع نہیں یہ دکھانے کے لیے کہ ان سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی نوعیت کیا ہے اور ان کا تعلق کس زمانے سے ہے، صرف چند اہم تحریرات سے اعتنا کی گئی ہے۔

سے لے کر طویل، موثق اور مطبوعہ یادداشتوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ دراصل یہ ایک طرف مقامی افسروں جیسے مجسٹریٹوں، پولیس سپرنٹنڈنٹوں اور کمشنروں اور دوسری طرف صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے درمیان مراسلات ہیں۔ ان میں کہیں فارسی اور اُردو تحریرات یا رسائل کے ترجمے اور اقتباسات ہیں اور کہیں پولیس کے چھینے ہوئے وہابیوں کے نجی مراسلے۔ ۱۸۵۹ء تک یہ ساری دستاویزیں دست نوشتہ پائی جاتی ہیں جو یا تو پلندوں کی شکل میں محفوظ ہیں یا مجلد رجسٹر ہیں۔ لیکن اس تاریخ کے بعد سے وہ حکومت بنگال کی مطبوعہ روداودں کی جلدوں میں شامل ہیں [1]

کاغذات کے نجی ذخیرے بھی خصوصاً خاندان صادق پور کے بعض ارکان کے، کارآمد ثابت ہوئے، احمد اللہ کی گراں بہا لائبریری ۱۸۶۵ء میں خاندان کی اور املاک کے ساتھ ضبط کر لی گئی۔ مگر کچھ کاغذات بچ گئے۔ ان ژولیدہ و بوسیدہ کاغذات کے کریدنے سے کچھ اہم قیمتی دستاویزات کا نشان مل گیا، انہیں میں سے شاہ محمد حسین کی سند خلافت ہے۔ اس سے اہم تر نشانی سید احمد کا ایک مکتوب ہے جو انہوں نے خاندان صادق پور کے کئی ارکان کے نام مشترک طور پر لکھا ہے اور آدمی اور روپے کی وصولی پر شکریہ ادا کیا ہے۔ اسی میں یہ ہدایت بھی ہے کہ کس طرح روپے سرحد شمالی مغربی کو دہلی کے راستے سے بھیجے جائیں جہاں ان کے ضبط ہونے کا کوئی خطرہ نہیں اس امر کا سید احمد کے کسی اور مکتوب میں ذکر نہیں۔

---

[1] ان دستاویزات کا مفصل ذکر اس کتاب میں جابجا کر دیا گیا ہے۔ اور فہرست مآخذ میں بھی ان کو درج کر دیا گیا ہے (تتمہ)